تقریر بابت ایمان
وقت 5-7منٹ

✿✿✿ تقریر ✿✿✿

ایمان کیا ہے؟

(حضرت مسیح موعودؑ کے افاضات کی روشنی میں)

(تقریر نمبر3)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا (البقرہ:287)

یعنی اللہ کسی جان پر اُس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔

وہ تازہ قدرتیں جو خدا پر دلیل ہیں
وہ زندہ طاقتیں جو یقیں کی سبیل ہیں
ظاہر ہے یہ کہ قصوں میں اُن کا اثر نہیں
افسانہ گو کو راہِ خدا کی خبر نہیں

(درثمین)

معزز سامعین! ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبانی ایمان کی تعریف، اس کی حقیقت، ضرورت اور اہمیت کو بیان کر رہے ہیں۔ آج کی تقریر اس کی تیسری کڑی ہے۔ آپ **ایمان کی حفاظت** کے متعلق فرماتے ہیں:

”سرگرمی انسان کے اندر ہو تو ایمان رہتا ہے ورنہ نہیں۔ کافور کے ساتھ کالی مرچ اِس لیے رکھتے ہیں کہ کافور نہ اُڑے۔ اِس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ کالی مرچ میں تیزی ہوتی ہے وہ اُسے اُڑنے سے بچائے رکھتی ہے۔“

(ملفوظات جلد4ایڈیشن1984ء صفحہ216)

ایمان کی دو قسمیں ہیں۔ فرمایا:

” بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر ایمان دو قسم کا ہے ایک وہ ایمان ہے جو صرف زبان تک محدود ہے اور اُس کا اثر افعال اور اعمال پر کچھ نہیں۔ دوسری قسم ایمان باللہ کی یہ ہے کہ عملی شہادتیں اُس کے ساتھ ہوں۔ پس جب تک یہ دوسری قسم کا ایمان پیدا نہ ہو۔ مَیں نہیں کہہ سکتا کہ ایک آدمی خدا کو مانتا ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کو مانتا بھی ہو اور پھر گناہ بھی کرتا ہو۔ دنیا کا بہت بڑا حصّہ پہلی قسم کے ماننے والوں کا ہے۔ مَیں جانتا ہوں کہ وہ لوگ اقرار کرتے ہیں کہ ہم خدا کو مانتے ہیں مگر یہ دیکھتا ہوں کہ اِس اقرار کے ساتھ ہی وہ دنیا کی نجاستوں میں مبتلا اور گناہ کی کدورتوں سے آلودہ ہیں۔ پھر وہ کیا بات ہے۔ کہ وہ خاصّہ جو ایمان باللہ کا ہے اُس کو حاضر ناظر مان کر پیدا نہیں ہوتا؟ دیکھو! انسان ایک ادنیٰ درجہ کے چوہڑے چمار کو حاضر ناظر دیکھ کر اُس کی چیز نہیں اٹھاتا۔ پھر اُس خدا کی مخالفت اور اُس کے احکام کی خلاف ورزی میں دلیری اور جرأت کیوں کرتا ہے جس کی بابت کہتا ہے مجھے اس کا اقرار ہے۔ میں اِس بات کو مانتا ہوں کہ دنیا کے اکثر لوگ ہیں جو اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ ہم خدا کو مانتے ہیں کوئی پرمیشر کہتا ہے، کوئی گاڈ کہتا ہے، کوئی اَور نام رکھتا ہے۔ مگر جب عملی پہلو سے اُن کے اِس ایمان اور اقرار کا امتحان لیا جاوے اور دیکھا جاوے تو کہنا پڑے گا کہ وہ نِرا دعویٰ ہے جس کے ساتھ عملی شہادت کوئی نہیں۔

انسان کی فطرت میں یہ امر واقعہ ہے کہ وہ جس چیز پر یقین لاتا ہے اُس کے نقصان سے بچنے اور اُس کے منافع کو لینا چاہتا ہے۔ دیکھو! سنکھیا ایک زہر ہے اور انسان جبکہ اِس بات کا علم رکھتا ہے کہ اُس کی ایک رتّی بھی ہلاک کرنے کو کافی ہے تو کبھی وہ اُس کو کھانے کے لئے دلیری نہیں کرتا اِس لئے کہ وہ جانتا ہے اُس کا کھانا ہلاک ہونا ہے۔ پھر کیوں وہ خدا تعالیٰ کو مان کر اُن نتائج کو پیدا نہیں کرتا جو ایمان باللہ کے ہیں۔ اگر سنکھیا کے برابر بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو تو اس کے جذبات اور جوشوں پر موت وارد

ہو جاوے مگر نہیں یہ کہنا پڑے گا کہ نرا قول ہی قول ہے۔ ایمان کو یقین کا رنگ نہیں دیا گیا ہے۔ یہ اپنے نفس کو دھوکا دیتا ہے اور دھوکا کھاتا ہے جو کہتا ہے کہ مَیں خدا کو مانتا ہوں۔

پس پہلا فرض انسان کا یہ ہے کہ وہ اپنے اُس ایمان کو درست کرے جو وہ اللہ پر رکھتا ہے یعنی اُس کو اپنے اعمال سے ثابت کر دکھائے کہ کوئی فعل ایسا اُس سے سرزد نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کی شان اور اُس کے احکام کے خلاف ہو۔

یہ دھوکا جو انسان کو لگتا ہے کہ وہ خدا کو مانتا ہے باوجودیکہ عملی شہادت اُس ایمان کے ساتھ نہیں ہوتی۔ درحقیقت یہ بھی ایک قسم کی مرض ہے جو خطرناک ہے۔ مرض دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک مرض مختلف ہوتی ہے۔ یہ وہ ہوتی ہے جس کا درد محسوس ہوتا ہے جیسے دردِ سر یا دردِ گردہ وغیرہ۔ دوسری قسم کی مرض، مرضِ مستوی کہلاتی ہے۔ اس مرض کا درد محسوس نہیں ہوتا اور اِس لئے مریض ایک طرح اُس کے علاج سے تساہل اور غفلت کرتا ہے۔ جیسے برص کا داغ ہوتا ہے۔ بظاہر اُس کا کوئی درد یا دکھ محسوس نہیں ہوتا لیکن آخر کو یہ خطرناک نتائج پیدا کرتا ہے۔ پس خدا پر ایسا ایمان جو عملی شہادتیں ساتھ نہیں رکھتا ہے، ایک قسم کی مرضِ مستوی ہے۔ صرف رسم وعادت کے طور پر مانتا ہے یا یہ کہ باپ دادا سے سنا تھا کہ کوئی خدا ہے اِس لئے مانتا ہے۔ اپنی ذات پر محسوس کر کے کب اُس نے اللہ کا اقرار کیا؟ یہ اقرار جس دن اس رنگ میں پیدا ہوتا ہے ساتھ ہی گناہوں کی میل کچیل کو جلا کر صاف کر دیتا ہے اور اُس کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں جب تک آثار ظاہر نہ ہوں، ماننا نہ ماننا برابر ہے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ یقین نہیں ہوتا اور یقین کے بغیر ثمرات ظاہر نہیں ہوسکتے۔ دیکھو! جن خطرات کا انسان کو یقین ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک ہرگز نہیں جاتا مثلاً یہ خطرہ ہو کہ گھر کا شہتیر ٹوٹا ہوا ہے تو وہ کبھی اُس کے نیچے جانے اور رہنے کی دلیری نہ کرے گا۔ یا یہ معلوم ہو کہ فلاں مقام پر سانپ رہتا ہے اور وہ رات کو پھرا بھی کرتا ہے تو کبھی یہ رات کو اُٹھ کر وہاں نہ جائے گا۔ کیونکہ اُس کے نتائج کا قطعی اور یقینی علم رکھتا ہے۔ پس اگر خدا کو مان کر ایک پیسہ کے سنکھیا جتنا بھی اثر اور یقین نہیں ہوتا تو سمجھ لو کہ کچھ بھی نہیں مانتا اور اصل یہ ہے کہ ساری خرابی کی جڑھ گیان کی کوتاہی ہے۔"

(ملفوظات جلد4 صفحہ 312-313)

ایمان انسان کے نفسانی جذبات اور گناہ کی قوتوں کو سلب کرتا ہے۔

پنڈت صاحب: میرا اصل منشاء تو یہ ہے کہ خدا کی ہستی پر تو ایمان ہے مگر پھر بھی گناہ ہوتے ہیں۔

حضرت اقدس: آپ کیوں کہتے ہیں کہ ایمان ہے۔ ایمان تو انسان کے نفسانی جذبات کو مُردہ کر دیتا ہے اور گناہ کی قوتوں کو سلب کر دیتا ہے۔ آپ کو یہ سوال کرنا چاہئے کہ گناہ سے بچنے کا کیا علاج ہے۔ مَیں یہ کبھی نہیں مان سکتا کہ ایمان بھی ہو اور گناہ بھی ہو۔ ایمان روشنی ہے اُس کے سامنے گناہ کی ظلمت رہ نہیں سکتی بھلا یہ کبھی ہو سکتا ہے کہ دن بھی چڑھا ہوا ہو اور رات کی تاریکی بھی بدستور موجود ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ پس اصل سوال یہ رہ جاتا ہے کہ گناہ سے کیونکر بچیں۔ اُس کا علاج وہی ہے جو مَیں نے بیان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان پیدا ہو۔

پنڈت صاحب: بیشک میرا یہ کہنا کہ خدا کو مانتا ہوں اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے۔

حضرت اقدس: پس یہی اصل بات ہے جبتک عملی شہادتیں ساتھ نہ ہوں۔ یہ نفس کا دھوکا ہے جو کہتا ہے کہ مانتا ہوں سچا ایمان گناہ کو باقی نہیں رہنے دیتا اور سچا ایمان کیونکر پیدا ہوتا ہے۔ آپ یاد رکھیں جو مریض طبیب کے پاس جاتا ہے تو طبیب اُس کی مرض کو تشخیص کر کے ایک علاج اُس کا بتا دیتا ہے۔ اُس کا فرض ہے کہ وہ بیمار کو متنبّہ کر دے، علاج کرنا نہ کرنا یہ مریض کا اپنا اختیار ہے۔ وہ یہ بتا دے گا کہ داغ لگانے کی جگہ ہے تو داغ دو یا جونک لگاؤ وغیرہ یعنی جو علاج ہو وہ بتا دے گا۔ اسی طرح پر ہم اصل علاج بتا دیتے ہیں کرنا نہ کرنا ہر شخص کے اپنے اختیار میں ہے۔

پس اصل بات یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ اِن آنکھوں سے نظر نہیں آتا اور نہ اِن حواس سے ہم اُس کو محسوس کر سکتے ہیں کیونکہ اگر وہ ان محسوسات میں سے ہوتا۔ جن کے لئے یہ حواس ہیں تو بے شک وہ نظر آجاتا یا محسوس ہو سکتا۔ مگر اِن حواس میں سے کوئی حسّ اُس کے لئے بکار نہیں۔ اُس کی شناخت کے خاص وسائل ہیں اور اَور حواس ہیں گو حکیموں، برہموؤں اور فلاسفروں نے بجائے خود ٹکریں ماری ہیں لیکن وہ سب غلطیوں میں مبتلا ہیں اور وہ ایمان جو انسان کی زندگی میں ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دیتا ہے اُن کو نصیب نہیں ہوا۔ جب خود اُن کی یہ حالت ہے تو وہ دوسروں کے لئے ہادی اور رہنما کیونکر ہو سکتے ہیں جو خود مشکلات میں مبتلا ہیں اور جن کو خود سکینت اور اطمینان نہ ہو وہ اَوروں کے لئے کیا اطمینان کا موجب ہوں گے۔ اس سلسلہ کی راہ کے چراغ دراصل انبیاء علیہ السلام ہیں۔ پس جو شخص چاہتا ہے کہ وہ نورِ ایمان حاصل کرے اُس کا فرض ہے کہ اُس راہ کی تلاش کرے اور اِس پر چلے بدُوں اس کے ممکن نہیں کہ معرفت اور سچا گیان مل سکے جو گناہ سے بچاتا ہے اور ہر ایک شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس شئے کا اتباع اس وقت حقیقی ایمان اور گیان پیدا کر دیتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ جب انسان سچائی پر قدم مارنے لگتا ہے تو اُس کو مشکلات اور ابتلا پیش آتے

ہیں۔ برادری اور قوم کا ڈر اُسے دھمکاتا ہے لیکن اگر وہ فی الحقیقت سچائی سے پیار کرتا ہے اور اُس کی قدر کرتا ہے تو وہ اِن ابتلاؤں سے نکل جاتا ہے ورنہ ابتلا اُس کا نفاق ظاہر کر دیتا ہے۔ مؤمن کے لئے ضروری ہے کہ وہ دیوانہ بنے کسی ننگ و عار کی سچائی کے لئے پروانہ کرے جب تک وہ اِن قیود کا پابند ہے وہ مومن نہیں ہو سکتا ہے۔

از عمل ثابت کن آں نورے کہ در ایمان تست

دل چو دادی یوسفی را راہ کنعان را گزیں"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 314-315)

سامعین! ایمان کی اصلی جڑ۔ فرماتے ہیں:

" اصل بات یہ ہے کہ دل اللہ کے اختیار میں ہے وہ جس وقت چاہتا ہے دل میں بات ڈال دیتا ہے اور اُس کو سمجھ آجاتی ہے کہ سچا سرور اور خوشحالی اِس میں ہے کہ خدا کو پہچانا جائے۔ دیکھو! مَیں اِس وقت یہ بات تو کر رہا ہوں مگر میرے اختیار میں یہ بات نہیں ہے کہ دلوں تک اُس کو پہنچا بھی دوں۔ یہ خدا ہی کا کام ہے جو دلوں کو زندہ کرتا ہے اور بیدار کرتا ہے۔ باقی تمام جوارح آنکھ، ہاتھ وغیرہ ایسے ہیں جو انسان کے اختیار میں ہیں۔ مگر دل اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ اُس وقت تک اپنے آپ کو مسلمان نہیں سمجھنا چاہیے جب تک دل مسلمان نہ ہو جاوے اور دل مسلمان نہیں ہوتا جب تک وہ لہو ولعب سے لذّت حاصل کرتا ہے۔ اُس کے مسلمان ہونے کا وہی وقت ہے جب وہ دنیوی حیثیت سے دل برداشتہ ہو گیا ہے اور دنیا کی لذّتیں اور خوشیاں ایک تلخی کا رنگ دکھائی دیتی ہیں جب یہ حالت ہو تو پھر انسان اپنے آپ کو مشاہدہ کرتا ہے کہ مَیں وہ نہیں رہا ہوں بلکہ اَور ہو گیا ہوں۔ پھر دل میں ایک کشش پاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں لذّت حاصل کرتا ہے اور ایسی محبت اسے نماز سے ہو جاتی ہے جیسے کسی اپنے عزیز کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ یہ ہے اصل جڑھ ایمان کی۔ مگر یہ انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ ہم اِس بات کا نمونہ نہیں بتا سکتے اور نہ الفاظ میں اِس کو سمجھا سکتے ہیں کیونکہ الفاظ حقیقت کے قائمقام نہیں ہوتے۔ اِس لئے جب یہ حالت آتی ہے تو پھر انسان اپنی گزشتہ زندگی پر حسرت و افسوس کرتا ہے کہ وہ یونہی ضائع ہو گئی کیوں پہلے ایسی حالت مجھ پر نہ آئی۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 321)

انسان کے ایمان کی تکمیل کے دو پہلو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

" انصاف اور ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں مسیح کو بالکل ناکامیاب ماننا پڑتا ہے۔ کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قسم کا موقع ملا ہے۔ مسیح کو نہیں ملا ہے اور یہ اُن کی بد قسمتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسیح کو کامل نمونہ ہم کہہ ہی نہیں سکتے۔ انسان کے ایمان کی تکمیل کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ اوّل یہ دیکھنا چاہئے کہ جب وہ مصائب کا تختۂ مشق ہو اُس وقت وہ خدا تعالیٰ سے کیسا تعلق رکھتا ہے؟ کیا وہ صدقِ اخلاص، استقلال اور سچی وفاداری کے ساتھ ان مصائب پر بھی انشراح صدر سے اللہ تعالیٰ کی رضا کو تسلیم کرتا اور اُس کی حمد وستائش کرتا ہے یا شکوہ و شکایت کرتا ہے اور دوسرے جب اُس کو عروج حاصل ہو اور اقبال اور فروغ ملے۔ تو کیا اس اقتدار اور اقبال کی حالت میں وہ خدائے تعالیٰ کو بھول جاتا ہے اور اُس کی حالت میں کوئی قابل اعتراض تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے یا اسی طرح خدا سے تعلق رکھتا اور اُس کی حمد وستائش کرتا ہے اور اپنے دشمنوں کو عفو کرتا اور اُن پر احسان کر کے اپنی عالی ظرفی اور بلند حوصلگی کا ثبوت دیتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کو کسی نے مارا ہے اگر وہ اِس پر قادر ہی نہیں ہوا کہ اس کو سزا دے سکے اور اپنا انتقام لے پھر بھی وہ کہے کہ دیکھو! مَیں نے اُس کو کچھ بھی نہیں کہا تو یہ بات اخلاق میں داخل نہیں ہو سکتی اور اُس کا نام بردباری اور تحمّل نہیں رکھ سکتے کیونکہ اُسے قدرت ہی حاصل نہیں ہوئی بلکہ ایسی حالت ہے کہ گالی کے صدمہ سے بھی رو پڑے تو یہ ستر بی بی از بے چادری کا معاملہ ہے۔ اس کو اخلاق اور بُردباری سے کیا تعلق!!"

(ملفوظات جلد 3 ایڈیشن 1984ء صفحہ 161)

سامعین! ایمانیات میں اخفاء کا فلسفہ یوں بیان فرمایا:

" اگر اللہ تعالیٰ سارے پردے کھول دیتا اور کوئی امر مخفی اور پوشیدہ نہ ہوتا اور مُردے آ آکر کہہ دیتے کہ جنت و نار سب حق ہیں تو بتاؤ کہ کوئی دہریہ اور بُت پرست رہ سکتا تھا؟ مثلاً اگر یہاں ہی کے دو چار مُردے آکر حقیقت بتا دیں اور اپنے پوتوں اور عزیزوں کو بتائیں تو کوئی روگردان رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا۔ اب اگر کوئی آفتاب پر ایمان لاوے کہ یہ ہے اور روشنی دیتا ہے تو بتاؤ اس ایمان کا کوئی ثواب اسے مل سکتا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ نے ایمان کی قدر وقیمت اور نیکی کی جزا کے لئے یہ پسند فرمایا ہے کہ کچھ خفا بھی ہو۔ دانشمند آدمی سعادت پاتا ہے۔ بیوقوف اس سے محروم رہ جاتا ہے اور پھر کوئی ایمانی امر ایسا نہیں ہے جس میں حقیقت اور فلسفہ نہ ہو۔ اِس اخفاء میں عظیم الشان فلسفہ ہے جیسا کہ مَیں نے ابھی کہا ہے کہ اگر ایسا انکشاف ہوتا کہ کوئی چیز مخفی نہ رہ جاتی۔ معاد کا حال، خدا کی رضا کا پتہ

معلوم ہو جاتا تو نیکی نیکی نہ رہتی اور نہ اُس کی کوئی قدر ہوتی۔ مشہود محسوس چیزوں پر ایمان لانے سے کوئی ثواب نہیں مل سکتا۔ مسجد پر یا درخت یا آفتاب پر ایمان لانیوالا اوران کے وجود کا اعتراف کرنے والا کسی جزا کا مستحق نہیں ہے لیکن جو مخفی کو معلوم کر کے ایمان لاتا ہے۔ وہ بیشک قابل تعریف فعل کا کرنے والا ٹھہر تا ہے اور مدح اور تعریف کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ جب بالکل انکشاف ہو گیا۔ پھر کیا؟ اسی طرح پر اگر کوئی 29 دن کے ہلال کو دیکھتا ہے تو بیشک اس کی نظر قابل تعریف ہو گی لیکن اگر کوئی چودہ دن کے بعد جبکہ بدر ہو گیا ہے اور عالمتاب روشنی نظر آتی ہے لوگوں کو کہے کہ آؤ! مَیں تمہیں چاند دکھاؤں مَیں نے دیکھ لیا ہے تو وہ مسخرہ اور فضول ٹھہرایا جائے گا۔

غرض قابلیت فراست سے ظاہر ہوتی ہے۔ خدا نے کچھ چھپایا ہے اور کچھ ظاہر کیا ہے۔ اگر بالکل ظاہر کرتا تو ایمان کا ثواب جاتا رہتا اور اگر بالکل چھپاتا تو سارے مذاہب تاریکی میں دبے رہتے اور کوئی بات قابل اطمینان نہ ہوسکتی اور آج کوئی مذہب والا دوسرے کو نہ کہہ سکتا کہ تو غلطی پر ہے اور نہ مواخذہ کا اصول قائم رہ سکتا تھا کیونکہ یہ تکلیف مالایطاق تھی۔ مگر خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا (البقرہ:287)۔ پس خدا کا فضل ہے کہ ہلکا سا امتحان رکھا ہوا ہے جس میں بہت مشکلات نہیں۔ باوجودیکہ وہ عالم ایسا ادقّ ہے کہ جو جاتا ہے پھر واپس نہیں آتا۔ پھر بھی خدا تعالیٰ نے انوار و برکات کا ایک سلسلہ رکھا ہے جس سے اِس دنیا ہی میں پتہ لگ جاتا ہے اور وہ مخفی امور متحقّق ہو جاتے ہیں۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 147-148)

پھر اخفاء ہی کے مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

" ہمارا ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ نشان دکھاتا ہے۔ جب چاہتا ہے۔ وہ دنیا کو قیامت بنانا نہیں چاہتا۔ اگر وہ ایسا کھلا ہوا ہو کہ جیسے سورج تو پھر ایمان کیا رہا اور اُس کا ثواب کیا؟ ایسی صورت میں کون بدبخت ہو گا جو انکار کرے گا۔ نشان بیّن ہوتے ہیں لیکن ان کو باریک بین دیکھ سکتے ہیں اور کوئی نہیں۔ اور یہ دقّتِ نظر اور معرفت سعادت کی وجہ سے عطا ہوتی ہے اور تقویٰ سے ملتی ہے۔ شقی اور فاسق اُس کو نہیں دیکھ سکتا۔ ایمان اسوقت تک ایمان ہے۔ جب تک اس میں کوئی پہلو اخفاء کا بھی ہو لیکن جب بالکل پردہ برانداز ہو تو وہ ایمان نہیں رہتا۔ اگر مٹھی بند ہو اور کوئی بتاوے کہ اُس میں یہ ہے تو اُس کی فراست قابل تعریف ہو سکتی ہے لیکن جب مٹھی کھول کر دکھا دی اور پھر کسی نے کہا کہ مَیں بتا دیتا ہوں تو کیا ہوا۔ یا پہلی رات کا چاند اگر کوئی دیکھ کر بتائے تو البتہ اُسے تیز نظر کہیں گے لیکن جب چودھویں کا چاند ہو گیا اس وقت کوئی کہے کہ مَیں نے چاند دیکھ لیا وہ چڑھا ہوا ہے تو لوگ اُسے پاگل کہیں گے۔ غرض معجزات وہی ہوتے ہیں جس کی نظیر لانے پر دوسرے عاجز ہوں۔ انسان کا یہ کام نہیں کہ وہ اُن کی حد بند کرے کہ ایسا ہونا چاہیے یا ویسا ہونا چاہیے۔ اِس میں ضرور ہے کہ بعض پہلو اخفا کے ہوں کیونکہ نشانات کے ظاہر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ایمان بڑھے اور اُس میں عرفانی رنگ پیدا ہو جس میں ذوق ملا ہوا ہو۔ لیکن جب ایسی کھلی باتیں ہوں گی تو اُس میں ایمانی رنگ ہی نہیں آسکتا چہ جائیکہ عرفانی اور ذوقی رنگ ہو۔ پس اقتراحی نشانات سے اس لئے منع کیا جاتا ہے اور روکا جاتا ہے کہ اس میں پہلی رگ سُوءِ ادبی کی پیدا ہو جاتی ہے جو ایمان کی جڑ کاٹ ڈالتی ہے۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 209-210)

سامعین! سچا ایمان مسلمانوں کو نصیب ہے۔ فرمایا:

پھر باتوں ہی باتوں میں جناب نواب صاحب نے ذکر کیا کہ ایک شخص سے مَیں نے کہا کہ مؤمن ہی دنیا و آخرت میں سچا سکھ پاتا ہے۔ جس پر وہ شخص کہنے لگا۔ کہ پھر سب سے بڑے مؤمن تو انگریز ہیں۔ اس پر حضرت حجۃ اللہ نے جو کچھ فرمایا۔ اس کا خلاصہ وہ عنوان ہے جو ہم نے اس نوٹ کے حاشیہ میں لکھ دیا ہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ "یہ بات غلط ہے کہ سچا سُکھ یا راحت کفّار کو حاصل ہے۔ ان لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ یہ لوگ شراب جیسی چیزوں کے ایسے غلام ہیں اور اُن کے حوصلے کیسے پست ہیں۔ اگر اطمینان اور سکینت ہو تو پھر خود کشیاں کیوں کرتے ہیں۔ ایک مؤمن کبھی خود کشی نہیں کر سکتا جیسے شراب اور دوسرے نشہ بظاہر غم غلط کرنے والے مشہور ہیں۔ اسی طرح سب سے بہتر غم غلط کرنے والا اور راحت بخشنے والا سچا ایمان ہے۔ یہ مؤمن ہی کے لئے ہے۔ وَلِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ (الرحمٰن:47)۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 338-339)

عام اور خاص ایمان میں فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"مَیں تو ہمیشہ دعا کرتا ہوں مگر تم لوگوں کو بھی چاہئے کہ ہمیشہ دعا میں لگے رہو۔ نمازیں پڑھو اَور توبہ کرتے رہو۔ جب یہ حالت ہو گی تو اللہ تعالیٰ حفاظت کرے گا اَور اگر سارے گھر میں ایک شخص بھی ایسا ہو گا تو اللہ تعالیٰ اُس کے باعث سے دوسروں کی بھی حفاظت کرے گا۔ کوئی بلا اَور دُکھ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے سوا نہیں آتا اَور وہ اُس وقت آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی نافرمان اَور مخالفت کی جاوے۔ ایسے وقت پر عام ایمان کام نہیں آتا بلکہ خاص ایمان کام آتا ہے۔ جو لوگ عام ایمان رکھتے ہیں وہ اُن بلاؤں سے حصّہ لیتے ہیں اَور اللہ تعالیٰ اُن کی پروا نہیں کرتا مگر جو خاص ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کی طرف رجوع کرتا ہے اَور آپ اُن کی حفاظت فرماتا ہے۔ مَنۡ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ

اللّٰہُ لَہٗ۔ بہت سے لوگ ہیں جو زبان سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کرتے ہیں اَور اپنے اسلام اَور ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کے لئے دُکھ نہیں اُٹھاتے۔ کوئی دُکھ یا تکلیف یا مقدّمہ آجاوے تو فوراً خدا کو چھوڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں اَور اِس کی نافرمانی کر بیٹھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی کوئی پروا نہیں کرتا مگر جو خاص ایمان رکھتا ہو اَور ہر حال میں خدا کے ساتھ ہو اَور دُکھ اُٹھانے کو تیار ہو جاوے تو خدا تعالیٰ اُس سے دُکھ اُٹھالیتا ہے اَور دو مصیبتیں اُس پر جمع نہیں کرتا۔ دُکھ کا اصل علاج دُکھ ہی ہے اَور مؤمن پر دو بلائیں جمع نہیں کی جاتیں۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 67-68)

سامعین! عمل ایمان کا زیور ہے۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

" ہمیشہ اپنے قول اور فعل کو درست اور مطابق رکھو جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگیوں میں کر کے دکھا دیا۔ ایسا ہی تم بھی اُن کے نقش قدم پر چل کر اپنے صدق اور وفا کے نمونے دکھاؤ۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نمونہ ہمیشہ اپنے سامنے رکھو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس زمانہ پر غور کرو کہ جب دشمن قریش ہر طرف سے شرارت پر تلے ہوئے تھے اور انہوں نے آپؐ کے قتل کا منصوبہ کیا۔ وہ زمانہ بڑا ابتلا کا زمانہ تھا۔ اُس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو حق رفاقت ادا کیا۔ اس کی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ یہ طاقت اور قوت بجز صدق ایمان کے ہرگز نہیں آسکتی۔ آج جس قدر تم لوگ بیٹھے ہوئے ہو۔ اپنی اپنی جگہ سوچو کہ اگر اس قسم کا کوئی ابتلاء ہم پر آجائے تو کتنے ہیں جو ساتھ دینے کو تیار ہوں۔ مثلاً گورنمنٹ کی طرف سے ہی یہ تفتیش شروع ہو جائے کہ کس کس شخص نے اِس شخص کی بیعت کی ہے تو کتنے ہوں گے جو دلیری کیساتھ یہ کہدیں کہ ہم مبائعین میں داخل ہیں۔ مَیں جانتا ہوں کہ یہ بات سُن کر بعض لوگوں کے ہاتھ پاؤں سُن ہو جائیں گے اور اُن کو فوراً اپنی جائدادوں اور رشتہ داروں کا خیال آجائے گا کہ اُن کو چھوڑنا پڑے گا۔

مشکلات ہی کے وقت ساتھ دینا ہمیشہ کامل الایمان لوگوں کا کام ہوتا ہے۔ اِس لیے جب تک انسان عملی طور پر ایمان کو اپنے اندر داخل نہ کرے۔ محض قول سے کچھ نہیں بنتا اور بہانہ سازی اُس وقت تک دُور ہی نہیں ہوتی۔ عملی طور پر جب مصیبت کا وقت ہو تو اُس وقت ثابت قدم نکلنے والے تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح ناصریؑ کے حواری اس آخری گھڑی میں جو اُن کی مصیبت کی گھڑی تھی۔ اُنہیں تنہا چھوڑ کر بھاگ نکلے اَور بعض نے تو منہ کے سامنے ہی آپ پر لعنت کر دی۔ حقیقت میں یہ بڑی غیرت کا مقام ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر بھی ایک ایسا وقت آیا تھا کہ جب مسلمؓ نے 70 ہزار آدمیوں کو نماز پڑھائی اور اُن سے حضرت امام حسینؓ کی رفاقت کا عہد لیا۔ مگر جب کسی شخص نے یزید کے آنے کی خبر دی تو سب کے سب آپ کو تنہا چھوڑ گئے۔

اس قسم کے واقعات بہت ڈراتے ہیں۔ اس لئے اپنے ایمانوں کو وزن کرو **عمل ایمان کا زیور ہے**۔ اگر انسان کی عملی حالت دوست نہیں ہو تو ایمان بھی نہیں ہے مؤمن ایک خوبصورت ہوتا ہے جس طرح ایک خوبصورت انسان کو معمولی اور ہلکا سا زیور بھی پہنا دیا جائے تو وہ اسے زیادہ خوبصورت بنا دیتا ہے اِسی طرح پر ایک ایماندار کو اُس کا عمل نہایت خوبصورت بنا دیتا ہے اگر وہ بد عمل ہے تو پھر کچھ بھی نہیں۔ انسان کے اندر جب حقیقی ایمان پیدا ہو جاتا ہے تو اُس کو اعمال میں ایک خاص لذّت آتی ہے اور اُس کی معرفت کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ وہ اس طرح نماز پڑھتا ہے جس طرح نماز پڑھنے کا حق ہوتا ہے۔ گناہوں سے اُسے بیزاری پیدا ہو جاتی ہے۔ ناپاک مجلس سے نفرت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول کی عظمت اور جلال کے اظہار کے لئے اپنے دل میں ایک خاص جوش اور تڑپ پاتا ہے۔ ایسا ایمان اُسے حضرت مسیحؑ کی طرح صلیب پر چڑھ جانے سے بھی نہیں روکتا۔ وہ خدا کے لئے اور صرف خدا تعالیٰ کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی طرح آگ میں بھی پڑ جانے سے راضی ہوتا ہے۔ جب وہ اپنی رضا کو رضاء الٰہی کے ماتحت کر دیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ جو علیم بذات الصدور ہے اُس کا محافظ اور نگران ہو جاتا ہے اور اُسے صلیب پر سے بھی زندہ اتار لیتا ہے اور آگ میں سے بھی صحیح وسلامت نکال لیتا ہے۔ مگر ان عجائبات کو وہی لوگ دیکھا کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ پر پورا ایمان رکھتے ہیں۔

غرض حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صدق اُس مصیبت کے وقت ظاہر ہوا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محاصرہ کیا گیا۔ گو بعض کفّار کی رائے اخراج کی بھی تھی۔ مگر اصل مقصد اور کثرت رائے آپ کے قتل پر تھی۔ ایسی حالت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے صدق اور وفا کا وہ نمونہ دکھلایا جو ابد الآباد تک کے لئے نمونہ رہے گا۔ اُس مصیبت کی گھڑی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انتخاب ہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صداقت اور اعلیٰ وفاداری کی ایک زبردست دلیل ہے۔ دیکھو! اگر وائسرائے ہند کسی شخص کو کسی خاص کام کے لئے انتخاب کرلے تو اس کی رائے صائب اور بہتر ہو گی یا ایک چوکیدار کی ماننا پڑیگا کہ وائسرائے کا انتخاب بہر حال موزوں اور مناسب ہو گا کیونکہ جس حال میں کہ وہ سلطنت کی طرف سے نائب السلطنت مقرر کیا گیا ہے اور اس کی وفاداری، فراست اور پختہ کاری پر سلطنت نے اعتماد کیا ہے۔ تب ہی تو زمام سلطنت اُس کے ہاتھ میں دی ہے۔ پھر اس کی صائب تدبیری اور معاملہ فہمی کو پس پشت ڈال کر ایک چوکیدار کے انتخاب اور رائے کو صحیح سمجھ لینا نامناسب امر ہے۔

یہی حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتخاب کا تھا۔ اس وقت آپ کے پاس 70-80 صحابہؓ موجود تھے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مگر اُن سب میں سے آپؐ نے اپنی رفاقت کے لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہی انتخاب کیا۔ اِس میں سِرّ کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ نبی خدا تعالیٰ کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور اُس کا فہم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آتا ہے۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ نے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کشف اور الہام سے بتا دیا کہ اس کام کے لئے سب سے بہتر اور موزوں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں۔ ابو بکرؓ اس ساعتِ عُسر میں آپؐ کے ساتھ ہوئے۔ یہ وقت خطرناک آزمائش کا تھا۔ حضرت مسیحؑ پر جب اِس قسم کا وقت آیا تو اُن کے شاگرد اُن کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور ایک نے لعنت بھی کی۔ مگر صحابہ کرامؓ میں سے ہر ایک نے پوری وفاداری کا نمونہ دکھایا۔ غرض حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپؐ کا پورا ساتھ دیا اور ایک غار میں جس کو غار ثور کہتے ہیں آپؐ جا چھپے۔ شریر کفّار جو آپؐ کی ایذا رسانی کے لئے منصوبے کر چکے تھے۔ تلاش کرتے ہوئے اُس غار تک پہنچ گئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اب تو یہ بالکل سر پر ہی آ پہنچے ہیں اور اگر کسی نے ذرا نیچے نگاہ کی۔ تو وہ دیکھ لیگا اور ہم پکڑے جائیں گے۔ اُس وقت آپؐ نے فرمایا۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کچھ غم نہ کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اِس لفظ پر غور کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اپنے ساتھ ملاتے ہیں چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ مَعَنَا میں آپ دونو شریک ہیں یعنی اللہ تعالیٰ تیرے اور میرے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک پلہ پر آنحضرتؐ کو اور دوسرے پر حضرت صدیقؓ کو رکھا ہے۔ اس وقت دونو ابتلا میں ہیں۔ کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں سے یا تو اسلام کی بنیاد پڑنے والی ہے یا خاتمہ ہو جانے والا ہے۔ دشمن غار پر موجود ہیں اور مختلف قسم کی رائے زنیاں ہو رہی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس غار کی تلاشی کرو کیونکہ نشانِ پا یہاں تک ہی آکر ختم ہو جاتا ہے... لیکن اُن میں سے بعض کہتے ہیں کہ یہاں انسان کا گزر اور دخل کیسے ہو گا۔ مکڑی نے جالا تنا ہوا ہے۔ کبوتر نے انڈے دیئے ہوئے ہیں۔ اِس قسم کی باتوں کی آوازیں اندر پہنچ رہی ہیں اور آپؐ بڑی صفائی سے اُن کو سُن رہے ہیں۔ ایسی حالت میں دشمن آئے ہیں کہ وہ خاتمہ کرنا چاہتے ہیں اور دیوانے کی طرح بڑھتے آئے ہیں۔ لیکن آپؐ کی کمال شجاعت کو دیکھو کہ دشمن سر پر ہے اور آپ اپنے رفیق صادق صدیقؓ کو فرماتے ہیں۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ یہ الفاظ بڑی صفائی کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں کہ آپؐ نے زبان ہی سے فرمایا کیونکہ یہ آواز کو چاہتے ہیں۔ اشارہ سے کام نہیں چلتا۔ باہر دشمن مشورہ کر رہے ہیں اور اندر غار میں خادم و مخدوم بھی باتوں میں لگے ہوئے ہیں۔ اس امر کی پرواہ نہیں کی گئی کہ دشمن آواز سن لیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر کمال ایمان اور معرفت کا ثبوت ہے۔ خدا تعالیٰ کے وعدوں پر پورا بھروسہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کے لئے تو یہ نمونہ کافی ہے۔ ابو بکر صدیقؓ کی شجاعت کے لئے ایک دوسرا گواہ اس واقعہ کے سوا اور بھی ہے.....جب آنحضرتؐ نے رحلت فرمائی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار کھینچ کر نکلے کہ اگر کوئی کہے گا کہ آنحضرت صلعم نے انتقال فرمایا ہے تو مَیں اسے قتل کر دوں گا ایسی حالت میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بڑی جرات اور دلیری سے کلام کیا اور کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا۔ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ یعنی محمد بھی اللہ تعالیٰ کے ایک رسول ہی ہیں اور آپ سے پہلے جسقدر نبی ہو گزرے ہیں سب نے وفات پائی۔

اس پر وہ جوش فرو ہوا۔ اُس کے بعد بادیہ نشین اعراب مرتد ہو گئے۔ ایسے نازک وقت کی حالت کو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یوں ظاہر فرمایا ہے کہ پیغمبر خدا صلعم کا انتقال ہو چکا ہے اور بعض جھوٹے مدّعی نبوت کے پیدا ہو گئے ہیں اور بعضوں نے نمازیں چھوڑ دیں اور رنگ بدل گیا ہے۔ ایسی حالت میں اور اِس مصیبت میں میرا باپ آنحضرت صلعم کا خلیفہ اور جانشین ہوا۔ میرے باپ پر ایسے ایسے غم آئے کہ اگر پہاڑوں پر آتے تو وہ بھی نابود ہو جاتے۔ اب غور کرو کہ مشکلات کے پہاڑ ٹوٹ پڑنے پر بھی ہمت اور حوصلہ کو نہ چھوڑنا یہ کسی معمولی انسان کا کام نہیں۔ یہ استقامت صدق ہی کو چاہتی تھی اور صدیقؓ نے ہی دکھائی ممکن نہ تھا کہ کوئی دوسرا اِس خطرہ کو سنبھال سکتا۔ تمام صحابہؓ اُس وقت موجود تھے کسی نے نہ کہا کہ میرا حق ہے۔ وہ دیکھتے تھے کہ آگ لگ چکی ہے۔ اِس آگ میں کون پڑے۔ حضرت عمرؓ نے اِس حالت میں ہاتھ بڑھا کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر سب نے یکے بعد دیگرے بیعت کر لی۔ یہ اُن کا صدق ہی تھا کہ اِس فتنہ کو فرو کیا اور ان موذیوں کو ہلاک کیا۔ مسیلمہ کے ساتھ ایک لاکھ آدمی تھا اور اس کے مسائل اباحت کے مسائل تھے۔ لوگ اُس کی اباحتی باتوں کو دیکھ دیکھ کر اُس کے مذہب میں شامل ہوتے جاتے تھے لیکن خدا تعالیٰ نے اپنی محبت کا ثبوت دیا اور ساری مشکلات کو آسان کر دیا۔“

(ملفوظات جلد اوّل ایڈیشن 1984ء صفحہ 374-379)

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی ایمان عطا فرمائے۔ آمین

(کمپوزڈ: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

✡✡✡✡